مختار مسعود

(۱۹۲۶ء ۔ ۲۰۱۷ء)

www.ilmkidunya.com

مختار مسعود سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے لے کر ایم۔اے تک تعلیم مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے حاصل کی۔ ان کے والد پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے بیس سال مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں اقتصادیات کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مختار مسعود نے تحریکِ پاکستان میں ایک طالب علم کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ علی گڑھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے سالہا سال وابستہ رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سول سروس آف پاکستان کے لیے منتخب ہوئے۔ انھوں نے اپنی ملازمت کے دوران میں اعلیٰ ترین سطح پر خدمات انجام دیں۔ مختار مسعود ایک کثیر المشاغل انسان تھے۔ اُن کی زندگی میں تعلیم، سفر، تحقیق، تصنیف، تقریر، فنونِ لطیفہ، نظامت، معیشت، مالیات اور قانون سبھی کچھ شامل تھا۔

تحریکِ پاکستان میں ایک طالبِ علم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہنے کی وجہ سے ان کی تحریروں میں برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی بیداری اور تحریکِ آزادی کی تفصیل ہے جسے انھوں نے ادبی چاشنی کے ساتھ بڑے مؤثر اور دل نشیں انداز میں لکھا ہے۔ آزادی کے بعد جوش اور جذبے کے سرد ہو جانے پر اجتماعی احساسِ زیاں کو جھنجھوڑا ہے۔ ان کے اسلوب میں بلا کی دل کشی ہے۔ اندازِ بیان منفرد ہے۔ عبارت نہایت بامحاورہ اور رواں ہے۔ وہ خود ہی سفر نہیں کرتے بلکہ اپنے قاری کو اپنے تمام جذبوں اور ولولوں کے ساتھ سفر میں شریک رکھتے ہیں۔ وہ سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ تاریخ کی بھی گہری آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ ترقی کوشش اور محنتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو قومیں اس جذبے کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں، کامیابی اُن کا مقدر بنتی ہے اور جب قومیں تن آسان اور جذبوں سے عاری ہو جاتی ہیں تو تاریخ انھیں معاف نہیں کرتی۔ انھیں اپنی غلطیوں کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

ان کی تصانیف میں ''آوازِ دوست''، ''سفر نصیب''، ''لوحِ ایام'' اور ''حرفِ شوق'' زیادہ مشہور ہیں۔

سبق: ۸

مینار

تدریسی مقاصد:

- ☆ تحریک پاکستان اور قراردادِ لاہور کے پس منظر کو سمجھنا
- ☆ مینارِ پاکستان کی تاریخی اور قومی اہمیت سے آگاہ ہونا
- ☆ ادبی نثر کے اسلوب اور فکری گہرائی کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- ☆ قومی یادگاروں اور تاریخی مقامات کے احترام اور تحفظ کا شعور حاصل کرنا
- ☆ مختار مسعود کی شخصیت اور ادبی خدمات سے روشناس ہونا

www.ilmkidunya.com

مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی نشست تھی، میز کے اردگرد تمام اراکین جمع تھے، مَیں آج ان میں پہلی بار شامل ہوا تھا۔ کارروائی کی پہلی شِق غور کے لیے پیش ہوئی، میرا ذہن اس وقت برنارڈشا کے اس مقولے پر غور کرنے میں مصروف تھا کہ وہ مقام جہاں خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی کی حدیں مل جائیں اسے خوش بختی کہتے ہیں۔ مَیں بہ لحاظ عہدہ اس مجلس کی صدارت کر رہا ہوں مگر عہدے کو ایک عہدِ وفا کا لحاظ بھی تو لازم ہے۔ میرے عہدے کا تعلق تعمیر سے ہے، میرے عہد کا تعلق تحریک سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے سنگ وخشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔ میں نے اس مینار کو بہ الفاظِ اقبال جلوہ گہِ جبرئیلؑ جانا اور سوچا:

با کہ گویم سرِّ ایں معنی کہ نورِ روئے دوست
بادماغِ من گل و با چشمِ موسیٰؑ آتشست (۱) (عُرفی)

مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں جب میرا اس کی تعمیر سے کوئی سرکاری تعلق نہ تھا مَیں محض تعلّقِ خاطر کے واسطہ سے وہاں جا پہنچا۔ بنیادیں بھری جا چکی تھیں، باغ میں ہر طرف ملبہ پھیلا ہوا تھا، مینار بلندی کی طرف مائل تھا، روکار بانسوں کی باڑ میں یوں چھپی ہوئی تھی کہ عمارت تو نظر نہ آئی مگر اردو شاعری میں چلمن کا مقام مجھ پر واضح ہو گیا۔ نزدیک جانا چاہا تو چوکیدار نے سختی سے روک دیا۔ یہ تو اس چوکیدار کا ہمسر نکلا جسے مولوی عبدالحق نے وائسرائے کو ٹوک دینے پر آثارِ قدیمہ سے نکال کر چند ہم عصروں میں شامل کر لیا تھا۔ اب کہاں روز روز عبدالحق پیدا ہوں گے اور کسے فرصت ہو گی کہ عصرِ نو کے ملبے میں عزّتِ نفس کی تلاش کرے اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات پر مضمون لکھا کرے۔ میں

۱۔ میں یہ راز کس سے کہوں کہ میرے دوست کے چہرے کا نور میرے دماغ کے لیے پھول ہے لیکن (وہی نور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کے لیے آگ ہے۔

نے چوکیدار سے پوچھا، یہ کیا بن رہا ہے؟ کہنے لگا، یادگار بن رہی ہے۔ آج جب کارروائی کے لیے پہلا مسئلہ پیش ہوا تو میں نے کہا اسے ملتوی کیجیے تاکہ ایک اور ضروری بات پر بحث ہو سکے۔ میز پر لغات کا ڈھیر لگ گیا۔ سب متفق ہوئے کہ یادگار وہ نشانِ خیر ہے جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ جب یادگار کا عام تصوّر موت اور فنا کے تصوّر سے جُدا نہ پایا تو منصوبے سے یادگار کا لفظ خارج کر دیا۔ میز صاف کی گئی، لغات کی جگہ مینار قراردادِ پاکستان کے نقشے پھیلائے گئے۔ جو تھوڑی بہت جگہ بچ گئی اس میں چائے کی پیالیاں سجائی گئیں۔ چائے شروع ہوئی تو بات بہت دُور جا نکلی۔

کہتے ہیں جب اہرامِ مصر کا معمار موقع پر پہنچا تو اس نے صحرا کی وسعت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت بلند ہونی چاہیے۔ پھر اس نے بھر بھری اور نرم ریت کو محسوس کیا اور سوچا کہ اس عمارت کو سنگلاخ بھی ہونا چاہیے۔ جب دھوپ میں ریت کے ذرّے چمکنے لگے تو اسے خیال آیا کہ اس کی عمارت شعاعوں کو منعکس کرنے کے بجائے اگر جذب کر لے تو کیا اچھا تقابل ہوگا۔ ہَوا چلی تو اسے ٹیلوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے نظر آئے اور اس نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کر دیے۔ اتنے فیصلے کرنے کے بعد بھی اسے طمانیت حاصل نہ ہوئی تو اس نے طے کیا کہ زندگی تو ایک قلیل اور مختصر وقفہ ہے وہ کیوں نہ موت کو ایک جلیل اور پائیدار مکان بنا دے۔ اب جو یہ مکان بنا تو لوگوں نے دیکھا کہ عجائبِ عالم کی فہرست میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اہرام کے معمار کو اگر اقبال پارک میں لا کھڑا کرتے تو اسے نہ جانے کیا کچھ نظر آتا اور وہ اس عمارت کو نہ معلوم کیا شکل دیتا۔ اس کی غیر حاضری میں ہمیں یہ طے کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی کہ قراردادِ پاکستان کو علامت اور عمارت کے طور پر کیا صورت دی جائے۔ باغ، جھیل، فوارے، مسجد، کتب خانہ، عجائب گھر، ہال، ہسپتال، دروازہ، درس گاہ یا مینار؟ فہرست کچھ اسی قسم کی بنی تھی اور بحث و تمحیص کے بعد کامیابی کا سہرا سرِ مینار سجایا گیا۔ موقع و محل کی نسبت ہو یا صورت و ساخت کی نسبت ماہرین کا متفق ہونا ممکن نہیں۔ اقبال پارک کے مشرق اور شمال میں وسعت اور ہریالی، مغرب میں ایک محلہ، کچھ جھگیاں اور گندہ نالہ، جنوب میں قلعہ، گوردوارہ اور مسجدِ عالمگیری واقع ہے۔ سطحِ زمین سے دیکھا جائے تو تین سفید بیضوی نوک دار گنبد اور چار بلند سُرخ پہلو دار مینار اس قطعے پر حاوی ہیں۔ ذرا بلندی سے دیکھیں تو اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے چار مینار بھی اس منظر کا حصّہ بن جاتے ہیں۔ آٹھ میناروں کے ہوتے ہوئے نویں مینار کا اضافہ کسی نے حسن جانا اور کسی نے بد ذوقی۔ اس بات کو البتہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عمارت اپنی نسبت کی حیثیت سے منفرد ہے۔ دنیا میں کہیں کسی قرار داد کو منظور کرنے کی یاد اس طرح نہیں منائی گئی کہ جلسہ گاہ میں ایک مینار تعمیر کر دیا جائے۔

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مینار کی ابتدائی صورت دفاعی ضرورت کے تحت وجود میں آئی، پھر اس کی علامتی حیثیت قائم ہوئی، اس کے بعد یہ دین کا ستون بنا اور آخر کار نشانِ خیر کے طور پر بنایا جانے لگا۔ مینارِ قرارداد ان ساری حیثیتوں پر محیط ہے۔ یہ نظریاتی دفاع کی ضرورت، تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

دفاعی مینار یوں تو میسوپوٹیمیا کی اختراع بتائے جاتے ہیں، مگر ان کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے اہلِ روم اور بازنطینی تھے۔ ان کے یہاں شہر کی فصیل سے لے کر ہر بڑی حویلی میں جا بجا مینار بنے ہوئے تھے۔ ان دنوں دنیا کی آبادی مختصر اور جغرافیے کا علم کم تر تھا، فنِ حرب کا درجہ بھی پست تھا، حملہ آور گنے چنے اور ان کے ہتھیار دیکھے بھالے تھے، لٰہذا دفاع کے لیے یہ کوتاہ قامت مینار ہی بہت کافی تھے۔ علم

www.ilmkidunya.com

اور آبادی دونوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ فنِ حرب کا درجہ بھی بلند ہوتا چلا گیا، جنگوں کی تعداد اور شدّت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ جگہ جگہ مضبوط سے مضبوط اور بلند سے بلند تر مینار بننے لگے۔ آبنائے باسفورس، جنوبی فرانس اور وسطِ چین کی مشہور فصیلیں اور مینار اسی دَور کی یادگار ہیں۔ دیوارِ چین میں جو، اب ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے کام آتی ہے، جابجا دفاعی مینار اور یہ بُرج بنے ہوئے ہیں۔ چین گئے تو دیوار دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ دیوار بھی دیکھی اور اہلِ دیوار بھی۔ معلوم ہوا کہ جو کام پہلے دیواروں سے لیا جاتا تھا وہ اب دیوانوں سے لیتے ہیں۔ جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِّ سکندری ہے اور وہی سدِّ یاجوج۔

ایک دن ہم دیوار کی طرف روانہ ہوئے، سڑک میدان سے گزر کر پہاڑی سلسلے میں داخل ہو چکی تھی۔ دُور سے ایسا معلوم ہوا کہ جہاں پہاڑ اور اُفق ملتے ہیں وہاں کسی نے سیاہ پنسل سے ایک مدھم سی لکیر لگا دی ہے۔ کچھ اور آگے گئے تو دُور تک سلسلہ کوہ سنجافی نظر آیا۔ نزدیک پہنچے تو یہ مدھم سی لکیر حیرت کدہ ہنر بن گئی اور جسے ہم نے سنجاف سمجھا تھا وہ ایک سنگلاخ حقیقت نکلی۔ دیوار عمودوار ایک پہاڑی پر چڑھتی تھی اور چوٹی پر ایک دفاعی مینار بنا ہوا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس یوآن کا نوٹ نکالا اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ انعام مینار پر سب سے پہلے پہنچنے والے کو ملے گا۔ سبھی بھاگ پڑے اور میں نے جانا کہ یہ نوجوان بھی پسماندہ ملکوں کی طرح زرِ مبادلہ کی دوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بھاگنے والوں کا دم پھُول گیا اور وہ ایک ایک کر کے فرش پر بیٹھ گئے۔ مینار اب بھی اتنا ہی دُور نظر آتا تھا اور اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو اب تک دیوارِ چین میں کئی بار نقب لگ چکی ہوتی۔ یہ کام جو بڑے بڑے ملک نہ کر سکے اردو شاعری نے کر دکھایا، شعر ہے:

میرے شیون سے فقط قصرِ فریدوں نہ گرا
سدِّ اسکندر اورنگ نشیں بیٹھ گئی

اب صرف حضرتِ ناظم کو جن کا یہ شعر ہے کیوں قصوروار ٹھہرایئے، قصور ہے تو خود ہمارے مزاج کا۔ دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرتِ غالبؔ نے بھی ڈھا دی تھی، کہتے ہیں:

برشگالِ گریۂ عاشق (۱) ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی، مانندِ گُل سَو جا سے دیوارِ چمن

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے مَیں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حق آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹی کے اس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریز سے جو روشنی کی کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شہ نشین میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا۔ میں نے کبھی ٹاٹ میں مخمل کا پیوند تو نہیں دیکھا مگر میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزار ہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گانا بجاتا پیوند لگا ہوا ضرور دیکھا ہے۔

۱۔ دیوانِ غالب کے متداول دواوین میں یہ مصرع یوں درج ہے: برشگالِ گریۂ عشاق دیکھا چاہیے

www.ilmkidunya.com

سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں ان کے بالائی حصّے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے انھیں روشن مینار کہتے ہیں۔ مَیں نے سُن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آجائے تو دنوں تک اہلِ مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی، روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی ہے، مینار والے کی نوکری تخفیف میں آچکی ہے۔ اب ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی۔ سبکسارانِ ساحل شام کو بٹن نیچے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

میں نے ایک اور روشن مینار بھی دیکھا ہے۔ پہلے تو یہ میرے ذہن میں نقشے پر لگے ہوئے ایک نقطے کی صورت میں محفوظ رہا اور پھر ایک دن آنکھیں جھپکیں تو وہ نقطہ مینار بن چکا تھا۔ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو سائبیریا سے لنکا تک خشکی نظر آتی ہے۔ لنکا کے جزیرے کی شکل نقشے میں دیکھی تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو۔ اس جزیرے کی جنوبی حد ہمارے نقشے میں زمین کی آخری حد تھی۔ اسکول کے طالب علم نے سوچا کہ خشکی کی اس حدِ آخر پر کھڑا ہو کر اگر یہ کہیں کہ ایشیا میرے قدموں میں سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ بات جغرافیے کی رُو سے درست اور تاریخ کی رُو سے نادرست ہوگی۔ یہ خیال نہ جانے کب آیا اور کتنے سال لاشعور میں گم رہنے کے بعد ایک دن مسکراتا ہوا میرے سامنے آگیا۔ میں ایک بحری جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا، اعلان ہوا کہ اب ہم لنکا کے گرد گھومتے ہوئے جزیرے کی جنوبی حد کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ میری آنکھوں میں چمک آگئی، سامنے جزیرے کے آخری ساحل پر ایک روشن مینار دمک رہا تھا۔

(آوازِ دوست)

www.ilmkidunya.com

مشق

ا۔ مختصر جواب دیں:

(الف) مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلس تعمیر کی صدارت کون کر رہا تھا؟

(ب) ''یادگار'' کا لفظ کیوں خارج کر دیا گیا تھا؟

(ج) اہرامِ مصر کے معمار نے کیا فیصلہ کیا؟

(د) قراردادِ پاکستان کی علامت اور عمارت کے حوالے سے کیا دشواری پیش آئی؟

(ہ) مصنف کی دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت کہاں اور کیسے پوری ہوئی؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) مینار کی ابتدائی صورت کس ضرورت کے تحت وجود میں آئی؟

(الف) تاریخی (ب) ثقافتی (ج) دفاعی (د) تعمیراتی

(ii) ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے کام آتی ہے:

(الف) سدِ سکندری (ب) سدِ یاجوج (ج) دیوارِ گریہ (د) دیوارِ چین

(iii) میں نے اس مینار کو جلوہ گہ جبرئیل جانا اور سوچا، بہ الفاظِ:

(الف) غالبؔ (ب) اقبالؔ (ج) نظیری (د) حافظؔ

(iv) اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہانگیر کے مقبرے کے منظر کا حصہ بن جاتے ہیں:

(الف) چار مینار (ب) چھے مینار (ج) آٹھ مینار (د) نو مینار

(v) میں نے جیب سے نوٹ نکالا:

(الف) پچاس ڈالر کا (ب) پچاس لیرا کا (ج) پچاس یوآن کا (د) پچاس ریال کا

۳۔ سبق "مینار" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) یہ (مینار) نظریاتی دفاع کی ضرورت تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

(ب) جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِ سکندری ہے اور وہی سدِ یاجوج۔"

(ج) دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرتِ غالبؔ نے بھی ڈھا دی تھی۔

(د) میں نے اسے سنگ و خشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔

۴۔ سبق "مینار" کے اہم نکات کی روشنی میں خلاصہ تحریر کریں۔

۵۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں:

"سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ۔۔۔۔۔۔غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔"

متشابہ الفاظ:

متشابہ الفاظ ایسے الفاظ کو کہتے ہیں جو صورتِ تحریر یا تلفظ میں ایک جیسے ہوں مگر معنی کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ یعنی ایک ہی لفظ مختلف

www.ilmkidunya.com

مواقع پر مختلف معنی دیتا ہے۔اس کی کئی صورتیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

متشابہ الفاظ بعض اوقات آواز کے اعتبار سے تو ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن معانی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے:

☆ارض (زمین) عرض (درخواست) ☆آم (پھل) عام (معمولی)

متشابہ کی دوسری صورت املا اور آواز کا ایک جیسا ہونا ہے مگر معانی مختلف ہوتے ہیں۔انھیں ذو معنی بھی کہتے ہیں۔ جیسے:

☆آب (پانی) آب (چمک) ☆مار (سانپ) مار (پٹائی) ☆بار (بوجھ) بار (باری)

متشابہ کی تیسری صورت میں الفاظ کی صورت ایک سی ہے مگر اعراب کی تبدیلی سے معانی بدل جاتے ہیں۔ جیسے:

☆پَل پُل ☆دَم دُم

۶۔ روز مرّہ زندگی سے درج بالا تینوں صورتوں کی مثالیں تلاش کریں اور ان کی فہرست بنا کر جملوں میں استعمال کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ انٹرنیٹ کی مدد سے دنیا کے بلند و بالا اور مشہور میناروں کے متعلق (مع تصاویر) ایک تحقیقی رپورٹ تیار کریں اور جماعت میں پیش کریں۔

☆ طلبہ سبق میں استعمال ہونے والے مختلف الفاظ کی فہرست تیار کریں اور ان کے مترادفات تلاش کر کے جماعت میں پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

☆ مختار مسعود اور ان کے اسلوبِ نثر کا مختصر تعارف اُن کی کتاب ''آوازِ دوست'' کے حوالے سے کروائیں۔

☆ سبق میں شامل تاریخی حوالوں (قراردادِ لاہور، تحریکِ پاکستان وغیرہ) پر مختصر روشنی ڈالیں۔

☆ طلبہ سے مینارِ پاکستان، اس کے علامتی معنی اور سبق کے مرکزی خیال کے بارے میں سوالات پوچھیں۔

www.ilmkidunya.com